مسلمانوں کی مالی حالت

از مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری (علیگ)

محنت اور زمین انسان جب اوّل دنیا میں آیا تو اُس کی حالت دوسرے جانوروں سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ درختوں کے پھلوں، پتوں اور جڑوں سے لے کر جانوروں کے گوشت اور خون تک جو کچھ اُسے ملتا اُسے کھاتا تھا۔ کھانا حاصل کرنے کے لیے اُسے جنگل میں جانے اور شکار کے لیے جانوروں کا پیچھا کرنے اور ان کاموں میں محنت کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اس لیے اُس وقت انسان صرف "محنت" سے واقف تھا۔

رفتہ رفتہ اُس کی عقل نے اُسے بتایا کہ دانوں اور گٹھلیوں کو زمین میں دبا کر اُس سے زیادہ بیج اور غلہ اور پھل تیار کرے۔ تجربہ سے اُسے معلوم ہوا کہ جو محنت وہ شکار کے پیچھے بھاگنے اور درختوں سے غذا حاصل کرنے میں صرف کرتا تھا اُس سے کم محنت میں وہ زمین سے بہت زیادہ غلّہ اور پھل تیار کرسکتا ہے، اس لیے اُس کے دل میں "زمین" کی قدر ہوئی، اس طرح اُس کی معاش کے لیے دو چیزیں وجود میں آئیں۔ محنت اور زمین

ابتدا میں وہ جس قدر غذا حاصل کرتا اُسے کھا کر ختم کر دیتا تھا۔ مگر بعد میں اُس نے شہد کی مکھیوں کی طرح بچی ہوئی غذا کا ذخیرہ رکھنا شروع کیا جو خزاں اور خشکی کے زمانہ میں اُسے کام دیتا تھا۔ یہ ذخیرہ "دولت" کہلایا۔ دولت اگر کسی شخص کے پاس زیادہ ہوتی اور اُس کے بھائی یا پڑوسی کے پاس نہ ہوتی تو ضرورت کے وقت اُسے اُدھار کے طور پر دے دی جاتی تھی۔ مگر اُس پر بڑھوتری لینا ناجائز سمجھا جاتا کیونکہ اُس زمانہ میں "دولت" مزید دولت پیدا کرنے کے کام میں نہ لائی جاتی تھی۔ اور محض ضروریات زندگی پورا کرنے کی چیز تھی۔ اسی بنا پر یونان کے مشہور فلسفی ارسطو کا قول تھا کہ "روپیہ انڈے بچے نہیں دیتا" باوجود اس ممانعت کے بعض

دولتمند لوگ اپنا غلہ یا سکہ غریبوں اور ضرورتمندوں کو دے کر اُس پر اضافہ یا سود لیتے تھے جس سے ان کی دولت اور زیادہ بڑھتی تھی، اُسی کے ساتھ قرضدار غریبوں کی غربت اُسی نسبت سے بڑھتی جاتی تھی اور جب یہ غریب قرضہ کا روپیہ معہ سود کے ادا نہ کرسکتے تھے تو اُس کے بدلے میں دائن کے غلام بن کر اُس کی خدمت کرنے پر مجبور رہوتے تھے۔ جب تک کہ اُس کا قرضہ پورا نہ ہو۔ ان وجوہ سے قرضداروں کے ساتھ عام طور پر لوگوں کو ہمدردی اور دائنوں سے نفرت ہوتی تھی۔ غرضکہ ملکی اور مذہبی دونوں قسم کے قوانین میں سود کے لین دین کی قطعاً ممانعت تھی اور اُس کے لیے سخت سزائیں تھیں۔ جیسا کہ ذیل کے مذہبی احکام سے معلوم ہوگا۔

مذہب میں سود کی ممانعت

(۱) یہودیوں کا مذہب جو دنیا کا نہایت پُرانا مذہب ہے، اُس کی آسمانی کتاب خروج میں میں تحریر ہے۔

"اور اگر تمہارا بھائی تمہارے بیچ میں محتاج اور تہیدست ہوجائے تو تم اُس کی دستگیری کرو خواہ وہ اجنبی ہو خواہ مسافر تاکہ وہ تمہارے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اُس سے سود اور نفع مت لے اور اپنے خدا سے ڈر" (اخبار باب ۲۵۔ آیت ۳۵۔۳۶)

(۲) عیسائیوں کی آسمانی کتاب لوقا کی انجیل میں آیت ۳۵ پر تحریر ہے

"اپنے دشمنوں سے محبت کرو اور احسان کرو اور قرض دو بجالیکہ اور کسی قسم کی زائد اُمید نہ رکھو بس تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا کے بیٹے ہوگے"۔

(۳) ہندوؤں کی کتاب منوسمرتی میں تحریر ہے۔

"سود کھانے والے کا اناج کھانا ممنوع ہے" (منوسمرتی۔ ادھیائے ۴۔ اشلوک ۲۱۰)

نیز لکھا ہے کہ "سود کھانے والے کا اناج پاخانہ ہے" (اشلوک ۲۲۰)

(۴) قرآن پاک میں متعدد آیتوں میں سود کی ممانعت ہے مگر ذیل کی آیتیں خاص طور پر اُس زمانے کے سود کے طریقہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔

(ا) وَمَا اٰتَیْتُم مِن ربا لیربُوا فی اموال الناس ولا یربُوا عِندَ اللہ وما اٰتیتم مِنْ زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئك هم المضعفون ۔ اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال بڑھیں پس وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتے اور جو دیتے ہو صدقہ جس سے تمہاری مراد خاص اللہ کی رضا ہوتی ہے پس یہ صدقہ دینے والے لوگ مال کئی گنا کر لیتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

(ب) یمحق اللہ الربٰو و یربی الصدقات واللہ لا یُحِبُّ کُلَّ کفّار اثیم۔ (بقرہ) گھٹاتا ہے اللہ ربوا کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ ناپسند کرتا ہے ہر ناشکر مجرم کو۔

نیز ارشاد ہے :-

یٰاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتقوا اللہ وذروا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِن کنتم مؤمنین فَاِنْ لَّمْ تفعلوا فاذنوا بحرب مِن اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تُظلمون"۔ (بقرہ) اے مسلمانو! خدائی مواخذہ سے اندیشہ کرو اور جو کچھ تمہارا سود کسی کے ذمہ رہ گیا ہے۔ اُسے چھوڑ دو اگر تم حکم ماننے والے ہو۔ پس اگر تم نے نہ کیا تو ہوشیار رہو واسطے لڑنے خدا اور رسول کے۔ اگر تم نے معاملات سودی سے توبہ کر لی تو تمہارا حق صرف اصلی مطالبہ ہے۔ نہ تم ظالم بنو اور نہ مظلوم"۔

ان چاروں مذاہب کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ اُن زمانوں میں روپیہ محض ضروریات پوری کرنے کے لیے لیا جاتا تھا خواہ وہ سود پر ملے یا بلا سود ملے یا بطور صدقہ اور زکوٰۃ کے حاصل ہو۔

سرمایہ مگر باوجود مذہبی ممانعتوں کے سود کا لین دین بند نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سود پر روپیہ لیکر اُسے کھیتی باڑی اور تجارت کے کاموں میں لگانا شروع کیا جس سے اور زیادہ مال و دولت پیدا ہوئی۔ فریقین کے اس نفع کو دیکھ کر ہندوستان میں سود کے جواز کی یہ صورت نکالی گئی کہ "دام دوپٹ" کا قانون جاری کیا

گیا جس کی رو سے سود کی مقدار اصل رقم سے نہ بڑھ سکتی تھی۔ مثلاً ایک شخص ایک سو روپیہ قرض لیتا تو اُس کا سود جمع ہو کر اُس سے ایک سو روپیہ سے زیادہ وصول نہ کیا جاسکتا تھا۔ اب جبکہ "دولت" قانون کی رو سے نفع آور کاموں میں لگائی جانے لگی تو اُس کا نام "سرمایہ" ہوگیا۔ اس طرح انسانی معاش کے لیے تین چیزیں وجود میں آگئیں یعنی محنت، زمین اور سرمایہ۔ ان تینوں ذرائع سے ہندوستان میں خوب دولت پیدا ہوئی اور وہ تمام طبقوں میں تقریباً یکساں تقسیم تھی۔ اور کوئی ایک طبقہ حد سے زیادہ دولتمند نہ تھا۔ روپیہ والوں کی ایک جماعت ضرور تھی جو کاشتکاروں، کاریگروں اور دوکانداروں کو سودی قرضہ دیتی تھی مگر چونکہ سود کی مقدار محدود تھی اس لیے مہاجنوں کی دولت بھی محدود تھی۔

انگلستان میں سرمایہ | ہندوستان کی اسی خوشحالی کے زمانہ میں یہاں انگلستان کی حکومت ہوگئی۔ انگلستان کی جگہ اگر یہاں انگریزی قوم کی حکومت ہندوستان میں رہ کر ہوتی تو اُس میں نقصان نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے آریوں اور ہنوں، غوریوں اور مغلوں وغیرہ کی حکومتیں ہو چکی تھیں جن میں ہندوستان کا روپیہ ایران یا وسط ایشیا کو نہ جاتا تھا۔ مگر اٹھارہویں صدی میں جو حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی وہ انگلستان کی تھی۔ اس وقت ہندوستان کی مالی حالت کا اندازہ مورخ وڈ کی حسب ذیل تحریر سے ہوسکتا ہے۔

"سراج الدولہ کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے بنگال میں سے ہو کر سفر کیا ہم اُن سے اس بات کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں کہ اُس وقت یہ سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند آباد اور کاشت کے اعتبار سے بہترین تھی۔ یہاں کے شرفاء اور تاجر دولت اور عیش و عشرت میں لوٹ لگاتے تھے اور ادنیٰ درجہ کے کاریگروں اور کسانوں پر خوشحالی اور آسائش کی برکتیں نازل ہوتی تھیں"۔

اس کے مقابلہ میں انگلستان کی جو مالی حالت تھی اور ہندوستان کے روپیہ سے انگلستان کو جو فائدہ پہنچا اُس کی کیفیت حسب ذیل اقتباسات سے ہوگی۔

"قبل اس کے کہ جنگ پلاسی فتح ہوئی اور ہندوستان کے خزانے بہہ بہہ کر انگلستان میں آنے شروع ہوئے ہمارے ملک (انگلستان) کا جوار بھاٹا نہایت نیچا تھا۔ خود انگلستان کی صنعتی ترقی بنگال کے بے شمار دولت کے ذخیروں اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت ہوئی" (سر ولیم ڈگبی)

"ہندوستان کے ساتھ انگلستان نے جس کا اب وہ ماتحت ہے بڑی ناانصافی کی ہے اور اس کی ایک افسوسناک مثال یہ ہے کہ ۱۸۱۳ء میں ایک گواہ نے (تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے) بیان کیا تھا کہ اس وقت تک ہندوستان کے سوتی اور ریشمی کپڑے برطانیہ کے بازاروں میں برطانیہ کے بنے ہوئے مال سے ۵۰ اور ۶۰ فیصدی سستے بکتے تھے اور پھر بھی نفع کے ساتھ۔ لہذا ضروری ہو گیا کہ ۷۰ اور ۸۰ فیصدی تک کے امتناعی محصول لگا کر انگلستان کی مصنوعات کی حفاظت کی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا اور یہ انسدادی محصول اور احکام نہ ہوتے تو مانچسٹر اور پیسلی کے پتلی گھر کھلتے ہی بند ہو گئے ہوتے اور بھاپ کی طاقت بھی اُن کو حرکت میں نہ لا سکتی۔"

(رومیش چندر دت صفحہ ۲۶۳)

غرضکہ ہندوستان کے روپیہ سے انگلستان میں سرمایہ کی ریل پیل ہوئی جس سے وہاں کی شرح سود گھٹی۔ اور اسی کے مطابق وہاں سود کے قانون بنتے گئے۔ چنانچہ ۱۵۴۵ء میں بشپ جان مرٹن کی تحریک سے انگلستان میں یہ قانون پاس ہوا کہ مہاجن کو ۱۰ فیصدی سے زیادہ سود نہ دلایا جائے۔ ۱۶۲۴ء میں شرح سود گھٹا کر آٹھ فیصدی کر دی گئی۔ ۱۶۵۱ء میں ۶ فیصدی کی گئی۔ پھر پانچ فیصدی کی گئی اور انجام کار ۱۸۵۴ء میں تعین شرح سود کا قانون بالکل منسوخ کر دیا گیا، اس لیے کہ وہاں سرمایہ کی اس قدر زیادتی تھی کہ شرح سود از خود نہایت کم ہوتی چلی جاتی تھی۔

شرح سود کی آزادی کی بربادی

کاش شرح سود کی آزادی صرف انگلستان تک محدود رہتی جہاں دولت کی افراط تھی۔ غضب تو یہ ہوا کہ اس قانون کا نفاذ ۱۸۵۵ء میں ہندوستان میں کر دیا گیا جہاں کی دولت مسلسل ایک سو سال سے مختلف صورتوں میں انگلستان چلی جا رہی تھی اور جس کی نسبت لارڈ میکالے نے لکھا تھا کہ ہندوستان کی دولت

کے دریا بہ کر انگلستان جاتے تھے۔

اس جدید قانون کی رو سے ہندوستان کا "دام دوپٹ" کا پرانا قانون منسوخ ہو گیا جس کی رو سے اصل سے زیادہ سود کی رقم نہ بڑھ سکتی تھی۔ اس وقت تک یہاں ایک روپیہ سیکڑہ ماہوار سے زیادہ سود لینا مہاجنوں میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مگر سود کی آزادی نے ملک میں بیشمار سود خوار مہاجن پیدا کر دیے جو غریبوں کو چند روپے دے کر اُن کے گھر بار اور زمین نیلام کرا لیتے تھے۔ اس سے ہر قوم کے کاشتکاروں، کاریگروں اور دُکانداروں کو نقصان پہنچا۔ مگر خصوصیت کے ساتھ مسلمان زیادہ برباد ہوئے۔ جو بالعموم مذہب کے زیادہ پابند ہیں اور اس لیے سود کا لینا نہایت گناہ کا کام سمجھتے ہیں۔ اُن کی اس بربادی کو دیکھ کر اُن کے متعدد علمار نے ہندوستان میں سود کے لین دین کے فتوے دیے۔ سب سے اول دہلی کے سب سے بڑے عالم شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو اُنیسویں صدی میں تھے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کے لیے یہ جائز قرار دیا کہ وہ غیر مسلموں سے سود لیں۔ پھر اکثر علمار کے فتووں سے اسی قسم کے مسئلہ کی اشاعت ہوئی اور بعض علمار نے "مضاربت برقم معین" کی بنا پر یہ طے کیا کہ تجارت کرنے کی غرض سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ایک رقم دے کر اُس سے معین منافعہ لے سکتا ہے۔ اسی طرح بہت سے علمار نے بینک کے سود کے جواز کے فتوے دیے مگر باوجود اس کے اب تک مسلمانوں میں عام طور پر سود لینے کا رواج نہیں ہوا ہے۔ اور اگرچہ سود دینا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ سود لینا، تاہم مسلمانوں سے زیادہ کوئی قوم سود نہیں دیتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں مسلمان سرمایہ داروں کے چُنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم نے عدالت ججی علیگڑھ کی ڈگریوں کا جو مسلمانوں پر ہوئیں ایک نقشہ دیا تھا جس میں دکھایا تھا کہ ایک مدیون کو ننانوے ۹۹ روپیہ کے چھ ہزار روپے دینے پڑے۔ اسی طرح بندوبست کی رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر تیس سال میں مسلمانوں کی کتنی جائدادیں نکل جاتی ہیں۔ چنانچہ ضلع مظفر نگر کی رپورٹ میں تحریر ہے کہ تیس سال میں سیدوں کی جائداد ایک لاکھ ستاسی ہزار ایکڑ سے گھٹ کر ایک لاکھ اُنچاس ہزار ایکڑ رہ گئی (اور واقعہ یہ ہے کہ اس باقی ماندہ جائداد میں سے نصف کے قریب مکفول اور رہن ہوگی)، سادات کی نسبت رپورٹ مذکور میں

تحریر ہے کہ "وہ سب سے زیادہ جائداد کی تحصیل میں ہیں۔ وہ نہایت مُسرف ہیں اور اُنہیں کوئی اندازہ اپنے اخراجات کو اپنی حالت کے مطابق رکھنے کا نہیں ہے۔ اُن کا تنزل اس قدر سُرعت کے ساتھ جاری ہے کہ جیسے کوئی شخص پہاڑ سے اُتر رہا ہو اور اگر یہ رفتار اسی طرح جاری رہی تو وہ بہت جلد مالکانِ آراضی کے زمرے سے خارج ہو جائینگے"۔

یہی حال مسلمان دُکانداروں اور کارخانہ داروں کا ہے۔ وہ بالعموم سود پر روپیہ لے کر اپنا کام چلاتے ہیں اور چونکہ ملک میں روپیہ کم تعداد میں ہے اس لیے شرح سود زیادہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اُن کی زندگی سختی سے گذرتی ہے۔

حقیقی علاج | کچھ عرصہ سے بعض صوبوں کی حکومتوں کو اس طرف توجہ ہوئی ہے کہ وہ قانون کے ذریعہ شرح سود کم کریں مگر اب تک جس قدر قوانین پاس ہوئے ہیں وہ زیادہ تر کاشتکاروں اور چھوٹے زمینداروں کے نفع کے ہیں۔ کاریگروں اور دکانداروں کی حفاظت کے قانون اب تک نہیں بنے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری کی موجودگی میں اس قسم کے قوانین سے غریبوں کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انگلستان میں اس وقت بے انتہا دولت موجود ہے مگر نظام سرمایہ داری ہونے کی وجہ سے اگر ایک طرف بہت سے کروڑپتی اور ارب پتی ہیں تو دوسری طرف لاکھوں آدمی سخت غریبی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک طرف زیادتی دولت سے کچھ لوگ عیش پرست اور کاہل ہو جاتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ کھا کھا کر اور اُس سے بیمار پڑ کر جلد مر جاتے ہیں، تو دوسری طرف زیادہ آدمی بھوکے رہ کر حد سے زیادہ محنت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس سے وہ جلد ختم ہو جاتے ہیں پس حقیقی علاج جو ان خرابیوں کو دور کرنے کا ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ انفرادی سرمایہ داری کو مٹا کر حکومت وقت ذرائع پیداوار اور ذرائع تقسیم مال اپنے ہاتھوں میں لیلے۔ وہ رعایا کے ہر فرد کو کام دینے اور اُس کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہو اور اس بات کی نگراں ہو کہ ایک بڑا سرمایہ دار بہت سے غریب آدمیوں کی محنت اور وقت کو خرید کر انہیں اپنا غلام نہ بنا سکے۔ اس قسم کا نظام قائم ہونے سے نہ صرف مسلمان بلکہ جملہ اقوامِ ہند کے غربا سرمایہ داروں کی غلامی سے نکل سکینگے۔